© rasailojaraid.com

معاشی مساوات اور وسائل معیشت

کا

اسلامی تصوّر

ڈاکٹر حافظ محمد یونس ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

فطری عدم مساوات حکمت الٰہی کا تقاضا

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا ہے بلکہ ان کے درمیان بیشمار حیثیتوں سے فرق رکھے ہیں۔ کوئی حسین وجمیل اور خوبصورت ہے اور کوئی بدصورت، کوئی خوش آواز ہے اور کوئی بھدی آواز والا۔ کوئی قوی ہیکل اور طاقت ور ہے اور کوئی کمزور کوئی سلیم الاعضاء ہے اور کوئی پیدائشی طور پر جسمانی نقص لے کر آیا ہے، کوئی ذہین اور کوئی کند ذہن، کوئی قوی الحافظہ اور کوئی نسیان میں مبتلا۔ کسی کو جسمانی اور ذہنی قوتوں میں سے کوئی قوت زیادہ دی ہے اور کسی کو کوئی دوسری قوت، کسی کو بہتر حالات میں پیدا کیا ہے اور کسی کو بدتر حالات میں کسی کو زیادہ ذرائع آئے ہیں اور کسی کو کم۔ کسی کو امیرزادہ اور کسی کو فقیر زادہ، کسی کو ترقی یافتہ قوم کا فرد اور کسی کو پس ماندہ قوم کا فرد پیدا کیا ہے اس پیدائشی قسمت میں کوئی ذرہ برابر بھی دخل نہیں دے سکتا۔ جس کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بنا دیا ہے وہی کچھ بننے پر وہ مجبور ہے اور ان مختلف پیدائشی حالتوں کا جو اثر بھی کسی کی تقدیر پر پڑتا ہے اُسے بدل دینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

اسی فرق و امتیاز پر انسانی تمدن کی ساری گوناں گونی قائم ہے اور یہ عین مقتضائے حکمت ہے، جہاں اس فرق کو اس کے فطری حدود سے بڑھ کر انسان اپنے مصنوعی امتیازات کا اس پر اضافہ کرتا ہے وہاں ایک نوعیت کا فساد رونما ہوتا ہے اور جہاں سرے سے اس فرق ہی کو مٹا دینے کے لئے فطرت سے جنگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہاں ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری نوعیت کا فساد برپا ہونا ہے۔

رزق اور وسائل رزق میں عدم مساوات قرآن کریم اس حقیقت کو بھی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت کے ایک پہلو کی حیثیت سے پیش کرتا ہے کہ دوسری چیزوں کی طرح انسانوں کے درمیان رزق اور وسائل رزق میں بھی مساوات نہیں ہے۔ اس فطری عدم مساوات کو قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا اور اس تقسیم اور اس کی تقدیر کا نتیجہ قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وھو الذی جعلکم خلائف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فی ما اٰتاکم"[1]

(اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تمہیں سے بعض کو بعض کے اوپر بلند درجے دیئے تاکہ جو کچھ بھی تم لوگوں کو اس نے دیا ہے، اس میں تمہاری آزمائش کرے) اس آیت میں تین حقیقتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ تمام انسان زمین میں خدا کے خلیفہ ہیں، اس معنی میں کہ اللہ نے اپنی مملوکات میں سے بہت سی چیزیں ان کی امانت میں دی ہیں اور ان پر تصرف کے اختیارات بخشے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ان خلیفوں میں مراتب کا فرق بھی اللہ ہی نے رکھا ہے، کسی کی امانت کا دائرہ وسیع ہے کسی کا محدود، کسی کو زیادہ چیزوں پر تصرف کے اختیارات دیئے ہیں اور کسی کو کم چیزوں پر، کسی کو زیادہ قوت کارکردگی دی ہے اور کسی کو کم، اور بعض انسان بھی بعض انسانوں کی امانت میں ہیں۔

۳۔ تیسرے یہ کہ یہ سب کچھ دراصل امتحان کا سامان ہے، پوری زندگی ایک امتحان گاہ ہے، اور جس کو جو کچھ بھی اللہ نے دیا ہے اسی میں اس کا امتحان ہے کہ اس نے

---

[1] القرآن، الانعام: آیت، ۱۶۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کس طرح اللہ کی امانت میں تصرف کیا، کہاں تک امانت کی ذمہ داری کو سمجھا اور اس کا حق ادا کیا اور کس حد تک اپنی قابلیت کا ثبوت دیا۔ اسی امتحان کے نتیجہ پر زندگی کے دوسرے مرحلے میں انسان کے درجے کا تعین منحصر ہے۔

فضیلت میں تفاوت

فضیلت میں تفاوت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح کیا ہے:۔

"انظر کیف فضلنا بعضهم علی بعض وللاٰخرة اکبر درجات واکبر تفضیلا" [۱]

(دیکھ لو دنیا ہی میں ہم نے ایک گروہ کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت میں اس کے درجے اور بھی زیادہ ہوں گے اور اس کی فضیلت اور بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوگی۔

یعنی دنیا ہی میں یہ فرق نمایاں ہو جاتا ہے کہ آخرت کے طلب گار دنیا پرست لوگوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ یہ فضیلت اس اعتبار سے نہیں ہے کہ ان کے کھانے اور لباس، مکان اور سواریاں اور تہذیب و تمدن کے ٹھاٹھ ان سے کچھ بڑھ کر ہیں بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ یہ جو کچھ بھی پاتے ہیں۔ صداقت، دیانت اور امانت کے ساتھ پاتے ہیں اور وہ جو کچھ پا رہے ہیں ظلم سے، بے ایمانیوں سے اور طرح طرح کی حرام خوریوں سے پا رہے ہیں۔ پھر ان کو جو کچھ ملتا ہے وہ اعتدال کے ساتھ خرچ ہوتا ہے، اس میں سے حق داروں کے حقوق ادا ہوتے ہیں، اس میں سے سائل اور محروم کا حصہ بھی نکلتا ہے اور اس میں سے اللہ کی خوشنودی کے لئے دوسرے نیک کاموں پر بھی مال صرف کیا جاتا ہے، اس کے برعکس دنیا پرستوں کو جو کچھ ملتا ہے بیشتر عیاشیوں اور حرام کاریوں اور طرح طرح کے فساد انگیز اور فتنہ خیز کاموں میں پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ اسی طرح تمام حیثیتوں سے آخرت کے طلب گار کی زندگی خدا ترسی اور پاکیزگی اخلاق کا ایسا نمونہ ہوتی

---

[۱] القرآن، الاسراء: آیت: ۲۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جو پیوند لگے ہوئے کپڑوں اور گھاس کی جھونپڑیوں میں بھی اس قدر درخشاں نظر آتا ہے کہ دنیا پرست کی زندگی اس کے مقابلے میں ہر چشم بینا کو تاریک نظر آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے جبار بادشاہوں اور دولت مند امیروں کے لیئے بھی ان کے ہم جنس انسانوں کے دلوں میں کوئی سچی عزت اور محبت و عقیدت کبھی پیدا نہ ہوئی اور اس کے برعکس فاقہ کش اور بوریا نشین پرہیزگاروں کی فضیلت کو خود دنیا پرست لوگ بھی ماننے پر مجبور ہوگئے یہ کھلی کھلی علامتیں اس حقیقت کی طرف صاف اشارہ کر رہی ہیں کہ آخرت کی پائیدار مستقل کامیابیاں ان دونوں گروہوں میں سے کس کے حصے میں آنے والی ہیں۔

رحمت اور عطا میں تفاوت

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور عطا کا ذکر بھی کرتے ہیں جو کسی کی رحمت عام آدمی کو ملتی رہتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

"اھم یقسمون رحمت ربك نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریا ورحمت ربك خیر مما یجمعون"[1]

(کیا تیرے رب کی رحمت (نبوّت) یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں، ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے درمیان، ان کی معیشت تقسیم کی ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر بلند درجے دیئے ہیں، تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں، اور تیرے رب کی رحمت (نبوت) تو اس مال و دولت سے بھی بہتر ہے جو اُن کے رئیس سمیٹ رہے ہیں۔

اس آیت میں لوگوں کے اعتراض کا جواب ہے اور چند مختصر الفاظ میں بہت ہی اہم باتیں بتادی گئی ہیں۔

۱۔ پہلی بات یہ کہ تیرے رب کی رحمت تقسیم کرنا ان کے سپرد کب سے ہوگیا۔ کیا یہ طے کرنا ان کا کام ہے کہ اللہ اپنی رحمت سے کس کو نوازے اور کس کو نہ نوازے (یہاں ر

---

[1] القرآن، الزخرف: آیت، ۳۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی رحمت سے مراد اس کی رحمت عام ہے جس میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ ملتا رہتا ہے)

۲۔ دوسری بات یہ کہ نبوّت تو خیر بہت بڑی چیز ہے دنیا میں زندگی بسر کرنے کے جو عام ذرائع ہیں، اُن کی تقسیم بھی ہم نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھی ہے کسی اور کے حوالے نہیں کر دی، جس کو جو کچھ ہم نے بنا دیا ہے وہی کچھ بننے پر وہ مجبور ہے اور ان مختلف پیدائشی حالتوں کا جو اثر بھی کسی کی تقدیر پر پڑتا ہے اُسے بدل دینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

پھر انسانوں کے درمیان، رزق، طاقت، شہرت، دولت، حکمت وغیرہ کی تقسیم بھی ہم ہی کر رہے ہیں جس کو ہماری طرف سے اقبال نصیب ہوتا ہے اُسے کوئی گرا نہیں سکتا اور جس پر ہماری طرف سے زوال آجاتا ہے اُسے گرنے سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ ہمارے فیصلوں کے مقابلے میں انسانوں کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، اس عالمگیر خدائی انتظام میں یہ لوگ کہاں فیصلہ کرنے چلے ہیں کہ کائنات کا مالک کسے اپنا نبی بنائے اور کسے نہ بنائے۔

۳۔ تیسری بات یہ کہ اس خدائی انتظام میں یہ مستقل قاعدہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ یہ سب کچھ ایک ہی کو، یا سب کچھ سب کو نہ دے دیا جائے، اگر چشم بصیرت وا کر کے دیکھا جائے تو ہر طرف بندوں کے درمیان ہر پہلو میں تفاوت ہی تفاوت نظر آئے گا۔ کسی کو ہم نے کوئی چیز دی ہے تو دوسری کسی چیز سے اس کو محروم کر دیا ہے، اور وہ کسی اور کو عطا کر دی ہے۔ یہ اس حکمت کی بنا پر کیا گیا ہے کہ کوئی انسان دوسرے سے بے نیاز نہ ہو بلکہ ہر ایک کسی نہ کسی معاملہ میں دوسرے کا محتاج رہے اب یہ کیسا احمقانہ خیال تمہارے دماغ میں سمایا ہے کہ جسے ہم نے ریاست اور وجاہت دی ہے اُسی کو نبوت بھی دے دی جائے۔ کیا اسی طرح تم یہ بھی کہو گے کہ عقل، علم، دولت، حسن، طاقت، اقتدار اور دوسرے تمام کمالات ایک ہی میں جمع کر دیئے جائیں اور جس کو ایک چیز نہیں ملی ہے اُسے دوسری بھی کوئی چیز نہ دی جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رزق میں تفاوت رزق میں تفاوت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کیا ہے

(۱) ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انہ کان بعبادہ خبیراً بصیراً "[1]

"در حقیقت تیرا رب جس کے لیئے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے، وہ اپنے بندوں سے با خبر ہے اور ان پر نظر رکھتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے درمیان رزق کی بخشش میں کم و بیش کا جو فرق رکھا ہے انسان اس کی مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتا، لہٰذا تقسیم رزق کے فطری نظام میں انسان کو اپنی مصنوعی تدبیروں سے دخل انداز نہ ہونا چاہیئے، فطری مساوات کو مصنوعی مساوات میں تبدیل کرنا، یا اس عدم مساوات کو فطرت کی حدود سے بڑھ کر بے انصافی کی حد تک پہنچا دینا، دونوں ہی یکساں غلط ہیں، ایک صحیح معاشی نظام وہی ہے جو اللہ کے مقرر کیئے ہوئے طریق تقسیم رزق سے قریب تر ہو،

اس آیت میں قانونِ فطرت کے جس قاعدے کی طرف راہنمائی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ فطرت اللہ نے انسانوں کے درمیان جو فرق رکھے ہیں، ان کو اصل فطری حالت پر برقرار رکھا جائے اور سوسائٹی کے اخلاق و اطوار اور قوانین عمل کی اس طرح اصلاح کر دی جائے کہ معاش کا فرق و تفاوت کسی ظلم و بے انصافی کا موجب بننے کے بجائے ان بے شمار اخلاقی، روحانی اور تمدنی فوائد و برکات کا ذریعہ بن جائے جن کی خاطر ہی دراصل خالقِ کائنات نے اپنے بندوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت رکھا ہے۔

۲۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :۔

"قل ان ربی یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر و لٰکن اکثر الناس لا یعلمون" [2]

---

[1] القرآن، الاسراء : آیت ۳۰،

[2] ایضاً، سبا، آیت ۳۶،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اے نبیؐ، ان سے کہہ دیجئے، میرا رب جسے چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تُلا عطا کرتا ہے، مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت نہیں جانتے) یعنی دنیا میں رزق کی تقسیم کا انتظام جس حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اس کو یہ لوگ نہیں سمجھتے اور اس غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ جسے اللہ کشادہ رزق دے رہا ہے وہ اس کا محبوب ہے اور جسے تنگی کے ساتھ دے رہا ہے وہ اس کے غضب میں مبتلا ہے حالانکہ اگر کوئی شخص ذرا آنکھیں کھول کر دیکھے تو اُسے نظر آسکتا ہے کہ بسا اوقات بڑے ناپاک اور گھناؤنے کردار کے لوگ نہایت خوشحال ہوتے ہیں اور بہت سے نیک اور شریف انسان، جن کے کردار کی خوبی کا ہر شخص معترف ہوتا ہے تنگدستی میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ اب آخر کون صاحب عقل آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ کو یہ پاکیزہ اخلاق کے لوگ ناپسند ہیں اور وہ شریر اور خبیث لوگ ہی اسے بھلے لگتے ہیں، وہ تو ارشاد فرماتا ہے "کلوا و تمتعوا قلیلاً انکم مجرمون" (کھا پی لو اور تھوڑا بہت فائدہ اٹھا لو، آخر کار تم مجرم ہی ہو۔)

۳۔ سورۃ سبا ہی میں اسی مضمون کو دوبارہ بیان کیا ہے :۔

"قل ان ربی یبسط الرزق لمن یشآء من عبادہ و یقدر لہ"[1]

(اے نبیؐ، ان سے فرما دیجئے، میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔)

اسی مضمون کو بہ تکرار بیان کرنے سے مقصود اس بات پر زور دینا ہے کہ رزق کی کمی و بیشی اللہ کی مشیت سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ اس کی رضا سے، مشیت الٰہی کے تحت اچھے اور بُرے ہر طرح کے انسانوں کو رزق مل رہا ہے، اللہ کا اقرار کرنے والے بھی رزق پا رہے ہیں اور اسکا انکار کرنے والے بھی، نہ رزق کی فراوانی اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی اللہ کا پسندیدہ بندہ ہے اور نہ اس کی تنگی اس امر

---

[1] القرآن، سبا: آیت: ۳۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی علامت ہے کہ آدمی اس کا مغضوب ہے بے ایمان آدمی پھلتا پھولتا ہے حالانکہ ظلم اور بے ایمانی اللہ کو پسند نہیں ہے اور اس کے برعکس مشیت ہی کے تحت ایک سچا اور ایماندار آدمی نقصان اٹھاتا اور تکلیفیں سہتا ہے حالانکہ یہ صفات اللہ کو پسند ہیں۔ لہٰذا وہ شخص سخت گمراہ ہے جو مادی فوائد و منافع کو خیر و شر کا پیمانہ قرار دیتا ہے اصل چیز اللہ کی رضا ہے اور وہ اُن اخلاقی صفات سے حاصل ہوتی ہے جو خدا کو محبوب ہیں۔ ان اوصاف کے ساتھ اگر کسی کو دنیا کی نعمتیں بھی حاصل ہوں تو یہ بلاشبہ اللہ کا فضل ہے جس پر شکر ادا کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر ایک شخص اخلاقی اوصاف کے لحاظ سے اللہ کا باغی و نافرمان بندہ ہے اور اس کے ساتھ دنیا کی نعمتوں سے نوازا جا رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سخت باز پُرس اور بدترین عذاب کے لیئے تیار ہو رہا ہے۔

رزق کی تقسیم کا اختیار دنیا اور مافیہا کا مالک دراصل اللہ تعالیٰ ہے رزق بھی اُس کے ہاتھ میں ہے وہ خود فرماتا ہے۔

"لہٗ مقالید السموات والارض یبسط الرزق لمن یشآء و یقدر انہٗ بکل شیء علیم[۱]"

(آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اُس کے قبضے میں ہیں جس کے لیئے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تُلا دیتا ہے، وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

رزق میں تفاوت کی وجہ رزق میں تفاوت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر مایشآء انہٗ بعبادہ خبیر بصیر[۲]"

---

[۱] القرآن: الشوریٰ، آیت: ۱۲

[۲] ایضاً: " آیت: ۲۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ زمین پر سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے، مگر وہ ایک حساب سے جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور ان پر نگاہ رکھتا ہے)

اگر اللہ تعالیٰ ہر شخص پر رزق کے دروازے کھول دیتا تو چھوٹے ظرف کے لوگ بالکل ہی پھٹ پڑتے، مگر اس نے انہیں دیکھ کر ہی رکھا ہے اور ناپ تول کر انہیں بس اتنا ہی دے رہا ہے جو اُن کو آپے سے باہر نہ ہونے دے۔

۱۔ رزق اور وسائل زندگی میں عدم مساوات قبول کرنے کی ہدایت

قرآن کریم نے اس فطری عدم مساوات کو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا اور اس کی تقسیم اور اس کی تقدیر کا نتیجہ قرار دیا ہے اور اس کی پوری اسکیم میں کہیں اس تخیل کا نشان نہیں ملتا کہ سب لوگ برابر ہوں یا کسی نچلے یا درمیانی طبقے میں ہوں اور اس عدم مساوات کو مٹا کر کوئی ایسا نظام قائم کرنا مطلوب ہے جس میں سب انسانوں کو ذرائع معاش برابر ملیں۔

قرآن کریم یہ ہدایت بھی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فطری عدم مساوات رکھی ہے اُسے ہر شخص کو قبول کر لینا چاہیئے اور دوسروں کو جو فضیلت اللہ تعالیٰ نے بخشی ہو اس پر رشک وحسد نہ کرنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن واسئلوا اللہ من فضلہ ۔ ان اللہ کان بکل شیئ علیما"[1]

(اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو۔ جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اُس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور

---

[1] القرآن، النساء، آیت: ۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق اُن کا حصّہ۔ ہاں اللہ سے اس کے فضل کی دُعا مانگتے رہو، یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔)

اس آیت میں ایک بڑی اہم اخلاقی ہدایت دی گئی ہے جسے اگر ملحوظ رکھا جائے تو اجتماعی زندگی میں انسان کو بڑا امن نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا ہے بلکہ ان کے درمیان بے شمار حیثیتوں سے فرق رکھے ہیں، یہ فرق حکمت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ جہاں اس فرق کو مٹا دینے کے لیئے فطرت سے جنگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہاں ایک دوسری نوعیت کا فساد برپا ہوتا ہے آدمی کی یہ ذہنیت کہ جسے کسی حیثیت سے اپنے مقابلہ میں بڑھا ہوا دیکھے، بے چین ہو جائے، یہی اجتماعی زندگی میں رشک، حسد، رقابت، عداوت، مزاحمت اور کشاکش کی جڑ ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو فضل اُسے جائز طریقوں سے حاصل نہیں ہوتا اُسے پھر وہ ناجائز تدبیروں سے حاصل کرنے پر اتر آتا ہے، اللہ تعالیٰ اس آیت میں اس ذہنیت سے بچنے کی ہدایت فرما رہا ہے۔ اس کے ارشاد کا مدعا یہ ہے کہ جو فضل اس نے دوسروں کو دیا ہو اس کی تمنا نہ کرو۔ البتہ اللہ سے فضل کی دعا کرو۔ وہ جس فضل کو اپنے علم و حکمت سے تمہارے لیئے مناسب سمجھے گا عطا فرما دے گا۔ اور یہ جو فرمایا کہ مردوں نے جو کچھ کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں میں سے جس کو جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس کو استعمال کر کے جو جتنی اور جیسی بُرائی یا بھلائی کمائے گا اسی کے مطابق، یا بالفاظِ دیگر اسی کی جنس سے اللہ کے ہاں حصہ پائے گا۔ یہ نہیں کہ سب کو ایک ہی جیسا حصہ مل جائے۔

رزق میں مساوات کے لئے بعض لوگوں کے دلائل

بعض لوگ یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ قرآن مجید لوگوں کے درمیان رزق میں مساوات چاہتا ہے وہ اپنے دلائل میں مندرجہ ذیل دو آیات پیش کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱- "واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برآدی رزقھم علی ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سواء افبنعمۃ اللہ یجحدون" [1]

(اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا کی ہے، پھر جن لوگوں کو یہ فضیلت دی گئی ہے وہ ایسے نہیں ہیں کہ اپنا رزق اپنے غلاموں کی طرف پھیر دیا کرتے ہوں تاکہ دونوں اس رزق میں برابر کے حصہ دار بن جائیں، پھر کیا اللہ ہی کا احسان ماننے سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں۔

۲- "ضرب لکم مثلا من انفسکم ھل لکم من ما ملکت ایمانکم من شرکاء فی ما رزقنا کم فانتم فیہ سواء تخافونھم کخیفتکم انفسکم کذلک نفصل الآیات لقوم یعقلون" [2]

(وہ تمہیں خود تمہاری اپنی ہی ذات سے ایک مثال دیتا ہے، کیا تمہارے اُن غلاموں میں سے جو تمہاری ملکیت میں ہیں کچھ غلام ایسے بھی ہیں جو ہمارے دیئے ہوئے مال و دولت میں تمہارے ساتھ برابر کے شریک ہوں اور تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو اس طرح ہم آیات کھول کر پیش کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیئے جو عقل سے کام لیتے ہیں)

پہلی آیت کو لوگوں نے اسلام کے فلسفۂ معیشت کی اصل اور قانونِ معیشت کی ایک اہم دفعہ ٹھہرایا ہے۔ ان کے نزدیک آیت کا منشا یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے رزق میں فضیلت عطا کی ہو، انہیں اپنا رزق نوکروں اور غلاموں کی طرف ضرور لوٹا دینا چاہیئے اگر نہ لوٹائیں گے تو اللہ کی نعمت کے منکر پائے جائینگے حالانکہ اس پورے سلسلۂ کلام میں قانونِ معیشت کے بیان کا سرے کوئی موقع ہی نہیں ہے۔ اوپر سے تمام تقریر شرک کے ابطال

---

[1] القرآن، النحل، آیت: ۷۱

[2] ایضاً، الروم، ۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور توحید کے اثبات میں ہوتی چلی آرہی ہے اور آگے بھی مسلسل یہی مضمون چل رہا ہے۔ اس گفتگو کے بیچ میں یکایک قانونِ معیشت کی ایک دفعہ بیان کر دینے کا آخر کون سا تک ہے۔

اس آیت کو سیاق و سباق میں رکھ کر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کے بالکل برعکس مضمون بیان ہو رہا ہے۔ یہاں استدلال یہ کیا گیا ہے تم خود اپنے مال میں اپنے غلاموں اور نوکروں کو جب برابر کا درجہ نہیں دیتے، حالانکہ یہ مال اللہ کا دیا ہوا ہے تو آخر کس طرح یہ بات تم صحیح سمجھتے ہو کہ جو احسانات اللہ نے تم پر کئے ہیں ان کے شکریئے میں اللہ کے ساتھ اس کے بے اختیار غلاموں کو بھی شریک کر لو اور اپنی جگہ یہ سمجھ بیٹھو کہ اختیارات اور حقوق میں اللہ کے یہ غلام بھی اس کے ساتھ برابر کے حصہ دار ہیں۔

ٹھیک یہی استدلال، اسی مضمون سے سورۂ روم، آیت ۲۸ میں کیا گیا ہے، چونکہ مشرکین یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ زمین و آسمان اور اس کی سب چیزوں کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے اس کی مخلوقات میں سے بعض کو خدائی صفات و اختیارات میں اس کا شریک ٹھہراتے تھے اور مراسم عبادت بجا لاتے تھے اس لیئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی شرک کی تردید فرمائی ہے، تمثیل کا منشا یہ ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے وہ انسان جو اتفاقاً تمہاری غلامی میں آگئے ہیں تمہارے تو شریک نہیں قرار پا سکتے، مگر تم نے یہ عجیب دھاندلی مچا رکھی ہے کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی کائنات میں اللہ کی پیدا کردہ مخلوق کو بے تکلف اس کے ساتھ خدائی کا شریک ٹھہراتے ہو، اس طرح کی احمقانہ باتیں سوچتے ہوئے آخر تمہاری عقل کہاں ماری گئی ہے، جب تم اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں اپنے غلاموں کو اپنے ساتھ برابر کا شریک بنانے کیلئے تیار نہیں ہو تو اللہ کے متعلق تم نے یہ کیسا تصوّر قائم کیا ہے کہ اس کی مخلوقات میں سے کوئی خدائی میں اس کا شریک ہے۔

ان آیات میں دراصل معاشی عدم مساوات کو مٹا کر مساوات قائم کرنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرے سے کوئی تلقین ہی نہیں کی گئی ہے، بلکہ ان کو شرک کے خلاف ایک دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے،

رزق کی مساوی تقسیم نہیں بلکہ منصفانہ تقسیم اسلام کے نزدیک اسلامی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ دولت کی مساوی تقسیم کے بجائے منصفانہ تقسیم ہو، اس کے پیش نظر ہرگز یہ نہیں ہے کہ تمام انسانوں کے درمیان ذرائع زندگی کو برابر تقسیم کیا جائے۔

قرآن مجید کو جو شخص بھی پڑھے گا اس کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کی اس کائنات میں کہیں بھی مساوی تقسیم نہیں پائی جاتی، مساوی تقسیم ہے ہی غیر فطری چیز۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ تمام انسانوں کو یکساں صحت نہیں دی گئی ہے، نہ ہی تمام انسانوں کو یکساں ذہانت دی گئی ہے، نہ ہی تمام انسانوں کا حافظہ یکساں ہے نہ ہی تمام انسان حسن میں، طاقت میں۔ قابلیت میں برابر ہیں، نہ ہی تمام انسان ایک ہی حالاتِ پیدائش میں آنکھیں کھولتے ہیں اور نہ ہی دنیا میں کام کرنے کے لئے سب کو ایک ہی طرح کے حالات ملتے ہیں۔

منصفانہ تقسیم کے ضابطے اگر ان ساری چیزوں میں مساوات نہیں ہے تو ذرائع پیداوار یا تقسیم دولت میں مساوات کیسے ہو سکتی ہے یہ عملی طور پر ممکن ہی نہیں ہے اور جہاں بھی مصنوعی طور پر اس کی کوشش کی جائے گی وہ ناکام ہی ہو گی۔ اس لئے اسلام یہ نہیں کہتا کہ وسائل معیشت اور ثمرات معیشت کی مساوی تقسیم ہونی چاہیئے بلکہ وہ کہتا ہے کہ منصفانہ تقسیم ہونی چاہیئے جس کے لئے کچھ ضابطے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشآء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون [1]"

---

[1] ایضاً، النحل، آیت: ۹۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔)

عدل سے مراد

عدل سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو، دوسری بات یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے۔ اردو زبان میں عدل کا معنیٰ انصاف کیا جاتا ہے جس سے غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو اور پھر اسی سے عدل کے معنی مساویانہ تقسیم حقوق کے سمجھ لیے گئے ہیں جو سراسر فطرت کے خلاف ہے۔

دراصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن اور تناسب ہے نہ کہ برابری۔ بعض حیثیتوں سے تو عدل بےشک افراد معاشرہ میں مساوات اور برابری چاہتا ہے مثلاً حقوق شہریت میں۔

مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی اور اخلاقی مساوات، یا اعلیٰ درجہ کی خدمات انجام دینے والوں اور کمتر درجے کی خدمات ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں میں مساوات اس لیے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حقوق میں توازن اور تناسب ہے اور اس حکم کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی معاشی، قانونی اور سیاسی و تمدنی حقوق پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کئے جائیں۔

ب: کیا اسلامی مساوات کا یہ مطلب ہے کہ سب لوگ ایک ہی طبقے میں برابر ہوں؟

اسلامی مساوات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سب لوگ کسی نچلے یا درمیانی طبقے میں ہوں اور برابر ہوں، کیونکہ رزق اور معاش کا حقیقی تعلق صرف ذات الٰہی سے وابستہ ہے اور وہی ہر فرد کا کفیل ہے اگرچہ اس کی عام مصلحت اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے اس رنگارنگ ماحول میں رزق کے اندر درجات میں تفاوت پایا جائے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن امارت اور غربت کی اس فطری رنگارنگی کے باوجود اس کا منشا ہے کہ یہاں ہر فرد معیشت میں محروم نہ رہنے پائے۔ کیونکہ اس نے معیشت کے حق کو سب کیلئے مساوی اور برابر رکھا ہے اور کسی کو بھی اس معیشت کے حق میں دخل انداز ہونے کا حق نہیں دیا ہے، اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے۔

"وما من دآبۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا"[1]

(زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔) اللہ تعالیٰ کے علم کا یہ حال ہے کہ ایک ایک چڑیا کا گھونسلہ اور ایک ایک کیڑے کا بل اس کو معلوم ہے اور وہ اسی کی جگہ پر اس کو سامان زیست پہنچا رہا ہے، زمین کی تہ میں اور ٹھوس پتھروں میں بھی وہ رزق پہنچا رہا ہے، سورۃ الذاریات میں ہے:۔

"وفی السمآء رزقکم وما توعدون"[2]

(آسمان ہی میں ہے تمہارا رزق بھی اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے،) آسمان سے مراد یہاں عالم بالا ہے۔ رزق سے مراد وہ سب کچھ ہے جو دنیا میں انسان کو جینے اور کام کرنے کے لیئے دیا جاتا ہے۔

ارشادِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ عالم بالا ہی سے یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ تم میں سے کس کو کیا کچھ دنیا میں دیا جائے اور وہیں سے یہ فیصلہ بھی ہوتا ہے کہ تمہیں باز پرس اور جزائے اعمال کے لیئے کب بلایا جائے۔ چونکہ رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس لیئے وہ خود ارشاد فرماتا ہے:۔

"ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق، نحن نرزقہم وایاکم"[3]

(اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور

---

[1] القرآن، ھود، آیت: ۶

[2] ایضاً، الذاریات، آیت ۲۲۔

[3] "، الاسراء، " ۳۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمہیں بھی۔)

افلاس کا خوف قدیم زمانے میں قتلِ اطفال اور اسقاطِ حمل کا محرک ہوا کرتا تھا اور آج وہ ایک تیسری تدبیر، یعنی حمل کو روکنے کی طرف دنیا کو دھکیل رہا ہے، لیکن منشورِ اسلامی کی یہ دفعہ انسان کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ کھانے والوں کو گھٹانے کی تخریبی کوشش چھوڑ کر اُن تعمیری مساعی میں اپنی قوتیں اور قابلیتیں صرف کرے جن سے اللہ کے بنائے ہوئے قانونِ فطرت کے مطابق رزق میں افزائش ہوا کرتی ہے۔

اس آیت کی رُو سے یہ بات انسان کی بڑی غلطیوں میں سے ایک ہے کہ وہ بار بار معاشی ذرائع کی تنگی کے اندیشے سے افزائشِ نسل کا سلسلہ روک دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کو متنبہ کرتی ہے کہ رزق رسانی کا انتظام تیرے ہاتھ میں نہیں ہے، بلکہ اس خدا کے ہاتھ میں ہے جس نے تجھے زمین پر بسایا ہے، جس طرح وہ پہلے آنے والوں کو روزی دیتا رہا ہے، بعد کے آنے والوں کو بھی دے گا۔ تاریخ کا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں میں کھانے والی آبادی جتنی بڑھتی گئی ہے اتنے ہی، بلکہ بارہا اس سے بہت زیادہ معاشی ذرائع وسیع ہوتے چلے گئے ہیں۔ لہٰذا خدا کے تخلیقی انتظامات میں انسان کی بے جا دخل اندازیاں حماقت کے سوا کچھ نہیں ہیں، رازق وہی ہے، اس کے کاموں میں اس کا کوئی حصہ دار بھی نہیں ہے وہ خود فرماتا ہے۔

"ومن یرزقکم من السمآء والارض ءالٰہ مع اللہ"[1]

(اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ان کاموں میں حصہ دار ہے؟)

سورۃ ذاریات میں ارشاد ہوتا ہے:-

"ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین"[2]

---

[1] القرآن: النمل، آیت: ۶۴

[2] ،، الذاریات، آیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اللہ تو خود ہی رزاق، بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔)

اللہ اپنے بندوں کو کھلاتا ہے وہ اس کو نہیں کھلاتے بلکہ وہ سب کا رازق ہے۔

سورۃ حجر میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وجعلنا لکم فیھا معایش ومن لستم لہٗ برازقین۔"[1]

(اور ہم نے زمین میں معیشت کے اسباب فراہم کیئے، تمہارے لیئے بھی اور ان بہت سی مخلوقات کے لیئے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔)

سورۃ بقرہ میں ہے:۔

"ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔"[2]

(وہی تو ہے جس نے تمہارے لیئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔)

ان تمام آیات میں بغیر کسی تخصیص کے ہر فرد بشر کو خطاب ہے اور بتایا گیا ہے کہ معیشت اور اسباب معیشت، اللہ تعالیٰ کے خزانۂ عامرہ کی ایسی عطا اور بخشش ہے کہ جس سے فائدہ اٹھانے کا ہر جاندار کو برابر کا حق ہے لیکن کسی قسم کی کوئی طبقاتی تقسیم نہیں کی اور نہ ہی یہ کسی کے بس کا روگ ہے کہ لوگوں کو کسی نچلے یا درمیان طبقے میں رکھے، یا سب کو برابر رکھے، ایسا طبقاتی نظام قائم ہو ہی نہیں سکتا جبکہ دولت کی تقسیم اور رزق کا پورا نظام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

ج: ذرائع زندگی کو تمام انسانوں کے درمیان برابر تقسیم کرنا مشیت ایزدی کے خلاف ہے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی ایسا نظام ہے جس میں ہر ممکن جائز طریقے سے تمام افراد کو اوپر کے طبقے میں برابر کیا جائے؟

اس کا جواب سیدھا سادھا یہ ہے کہ ایسا کوئی نظام نہیں کہ جس میں ہر ممکن جائز

---

[1] القرآن، الحجر، آیت: ۲۰

[2] ،، ،، البقرۃ، آیت: ۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریقے سے تمام افراد کو اوپر کے طبقے میں برابر کیا جائے کیونکہ رزق اور معاش کا حقیقی تعلق صرف ذاتِ الٰہی سے وابستہ ہے۔

اور وہی ہر فرد کا کفیل ہے اور اس کی مشیت میں ہے ہی نہیں کہ تمام انسانوں کے درمیان ذرائع زندگی کو برابر تقسیم کیا جائے کیونکہ یہ مساوی تقسیم ہے ہی غیر فطری چیز۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ ہر فرد روزی میں محروم نہ رہنے پائے کیونکہ روزی دینے کا ذمہ اس نے خود لیا ہے اور اس نے ہر شخص کو ہر حیلے روزی دینی ہے اس نے روزی دینے کے حقوق کو محفوظ رکھا ہے، اور سب کا روزی رساں ہے۔

روزی دینے کے حق میں وہ کسی کو دخل انداز نہیں ہونے دیتا اور اس حق کو اس نے سب کے لیئے یکساں اور برابر رکھا ہے۔ لہٰذا منشاء الٰہی کی تکمیل کے لیئے اس دنیا میں یہ فریضہ "نائب الٰہی" خلیفہ "پر عائد ہوتا ہے کہ اسلامی مملکت میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہونا چاہیئے جو معیشت کے حق سے محروم ہو اور نہ کسی کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ حقِ معیشت میں دخل اندازی کر سکے۔ وہ ایک ایسا نظام معیشت ترتیب دے کہ جس میں تمام افراد کی بہتری ہو اور ان کے حقوقِ رزق میں تناسب اور توازن قائم ہو۔

اُن کے لیئے ایسا ماحول پیدا کیا جائے کہ صاحب دولت لوگ نادار اور حاجت مند افراد کو اپنے ساتھ لے کر چلیں، اور اُن کی ضروریات کا خیال رکھیں۔

د: روزی میں محروم لوگوں کے لیئے اقدامات

ا۔ رسول اللہ ؐ کا طرزِ عمل

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جس شخص کے پاس قوت و طاقت کا سامان اپنی حاجت سے زائد ہو، اس کو چاہیئے کہ زائد سامان کمزور کو دے دے، اور جس شخص کے پاس خورد و نوش کا سامان حاجت سے زائد ہو، اس کو چاہیئے کہ زائد سامان نادار اور حاجت مند کو دے دے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح مختلف مال کی قسموں کا ذکر فرماتے رہے، حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے پاس زائد دولت رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے [1]

اس سے حضورؐ کی مراد یہ تھی کہ نچلے طبقے کو اوپر اٹھایا جائے، برابر کرنا مقصود نہیں ہے

۲۔ اجماع صحابہؓ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت پر بحث کرتے ہوئے ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

"اس بات پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا ننگا یا ضروریات رہائش سے محروم ہے تو مالدار کے زائد مال سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے [2]"

۳۔ حضرت عمرؓ کا اقدام حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں کبھی تاخیر نہ کرتا۔ اور بلاشبہ مالداروں سے زائد دولت لے کر مہاجر فقراء میں بانٹ دیتا [3]"

۴۔ حضرت ابو عبیدہؓ کا اقدام سپہ سالار لشکر حضرت ابو عبیدہؓ نے ایک نئی ترکیب استعمال کی تھی۔ ایک موقعہ پر ان کا اور ان کے ہمراہ تین سو صحابہ کرامؓ کا خورد و نوش کا سامان ختم ہونے کے قریب ہونے لگا۔ تو انہوں نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جتنا کچھ موجود ہے وہ سب حاضر کر دو، اس کے بعد انہوں نے سارا سامان اکٹھا کر کے سب میں برابر تقسیم کر دیا اور سب کی روزی کا سامان کر دیا [4]

---

[1] ابن حزم، المحلّی، ج ۶، ص ۱۵۷، ۱۵۸

[2] 〃 〃 ، ج ۶، ص ۱۵۸

[3] 〃 〃 〃 〃 〃

[4] 〃 〃 〃 〃 〃 〃

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ حضرت علیؓ کا اقدام

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ :

"اللہ تعالیٰ نے صاحب دولت لوگوں کے مالوں میں ان کے غریبوں اور حاجت مندوں کی معاشی حالت کو کفایت کی حد تک پورا کرنا فرض کر دیا ہے اس لیئے اگر وہ بھوکے، ننگے یا معاشی حالات میں مبتلا ہوں گے اور وہ بھی اس بنا پر کہ اہل ثروت لوگ اپنا حق ادا نہیں کرتے، تو اللہ تعالیٰ ان مالداروں سے قیامت کے دن باز پرس کرے گا اور اس کوتاہی پر ان کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔"[1]

یہ تمام اقدامات ایسے ہیں جن سے مقصود ناداروں کی مالی اعانت ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ مالداروں کی زائد از ضرورت دولت اتنی ہو کہ نچلے طبقے کو اوپر کے طبقے میں برابر کیا جا سکے۔

۶: حاجت مندوں کی مالی حالت بہتر بنانے کیلئے حکومت وقت کا اقدام

ابن حزمؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :

"آیات قرآنی اور احادیث کی روشنی میں ہر ایک بستی کے دولت مندوں کا فرض ہے کہ وہ حاجت مندوں کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر بیت المال کی آمدنی ان حاجت مندوں کی معاشی کفالت کو پوری نہ ہوتی ہو، تو حاکم وقت ان دولت مندوں کو اس کفالت کے لیئے مجبور کر سکتا ہے، (یعنی ان کی زائد دولت جبراً لے کر فقراء کی ضرورت میں صرف کر سکتا ہے،) اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیئے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیئے گرمی اور سردی دونوں موسم کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور اپنے لیئے ایک ایسا مکان ہو جو ان

---

[1] ابن حزم، المحلی، ج ۶، ص ۱۵۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے معاملات سے محفوظ رکھ سکے۔"[1]
ان تمام قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کو پیشِ نظر رکھ کر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کا "معاشی نظام" حق معیشت کی مساوات کا کس طرح صاف اور واضح اعلان کر رہا ہے اور اسلامی مملکت کے سربراہ کے اختیارات میں وسعت دے کر اس کی حفاظت کے لیئے کس قدر عادلانہ دستور قائم کرتا ہے۔

۷۔ اسلامی حکومت کا اقدام اور ذمہ داری

اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ عدل و انصاف کو قائم کرے یہ بات عدل و انصاف کے منافی ہے کہ کمزور و نادار لوگ بھوکے رہیں اور فقراء و مساکین، خورد و نوش اور لباس اور رہائش کی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم رہیں، جبکہ معاشرے کے دولت مندوں کے پاس زائد دولت بے مصرف پڑی ہو حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، کہ

"سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لیس المؤمن الذی یشبع وجارہ جائع الی جنبہ"۔[2]

(میں نے حضورؐ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ وہ مؤمن نہیں ہے جو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا ہو، اور وہ یہ جانتا ہو۔)

مسلمان تو مسلمان رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو غیر مسلموں کی بھی اعانت فرمائی تھی، مکہ میں جب قحط پڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کو ۵۰۰ درہم اور کھجوریں بھیجی تھیں، تاکہ مکہ کے غرباء میں تقسیم کر دی جائیں"۔[3]

حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ کسی علاقے کے رہنے والے لوگوں میں سے "اگر کوئی

---

[1] ابن حزم، ص ۱۵۶

[2] السیوطی: جلال الدین، الجامع الصغیر، ص ۱۳۵

[3] امام محمد بن الحسن الشیبانی، کتاب السیر الکبیر، ج ۱، ص ۹۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخص ایک رات بھی بھوکا رہے تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و امان سے نکل جائیں گے'۔ [1]

حضرت عمرؓ عشاء کے بعد پھر پھر کے مسجد میں ہر شخص کا چہرہ دیکھتے اور اس سے پوچھتے کہ کھانا کھایا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص بھوکا ہوتا تو اس کو لے جاکر کھانا کھلاتے [2]

حضرت عمرؓ کو اپنی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ راتوں کو گشت لگاکر دیکھا کرتے تھے کہ کہیں کوئی حاجت مند تو نہیں ہے کہ جس کی حاجت پوری نہ ہوئی ہو، آپ فرمایا کرتے تھے:۔

(اگر فرات کے کنارے ایک اونٹ بھی بھوکا مرگیا۔ تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں اس کے بارے میں میری جواب طلبی نہ کرلے۔) [3]

علامہ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:۔

اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ فقر و فاقہ کے مسئلے سے نمٹنے کے لیئے اور حاجت مندوں کو خوش گوار زندگی دینے کے لیئے مختلف ذرائع و وسائل اختیار کرے، تاکہ معاشرے میں باہمی کفالت کا مقصد حاصل ہو سکے۔ یہ ذرائع اور وسائل زمانے اور مکان اور حالات کے مختلف ہونے سے مختلف ہو سکتے ہیں اور امتِ اسلامیہ کے اصحاب اقتدار اور اہل الرائے کے لیئے اجتہاد کی راہیں بھی کھلی ہیں۔ فقر و فاقہ اور حاجت مندوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیئے حضرت عمرؓ کی مثال پیش نظر رکھنے کے قابل ہے جو انہوں نے اس سلسلے میں اختیار کی۔" [4]

---

[1] یوسف القرضاوی، اسلام اور معاشی تحفظ (اردو ترجمہ) ص ۴۴

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، (تذکرہ ام حبیبہؓ، خولہؓ)

[3] ابن سعد الطبقات الکبری ج ۳، ص ۳۱۱۔

[4] یوسف القرضاوی، اسلام اور معاشی تحفظ (اردو ترجمہ) ص ۱۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابو عبیدؒ نے لکھا ہے :۔

"حضرت عمرؓ نے مدینہ کے قریب "ربذہ" نامی ایک قطعۂ زمین کو سرکاری ملکیت بنا دیا تاکہ مسلمانوں کے جانور اس میں چریں۔ مگر آپ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ نے فقراء و مساکین اور کم آمدنی والے افرادِ امت کا حق سب سے مقدم رکھا تاکہ وہ اس مفت کی چراگاہ کو اپنی مویشی دولت اور آمدنی میں اضافہ کا ذریعہ بنالیں۔ اور حکومت سے دیگر کسی قسم کی اعانت اور امداد نہ مانگیں۔ یہ مقصد حضرت عمرؓ کے اس حکم میں پوری طرح واضح ہے جو آپ نے اس چراگاہ کے نگران "ہنی" کو دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا ہے اسے ہنی! لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا اور مظلوم کی دُعا سے ڈرنا کیونکہ وہ مستجاب ہے اور تھوڑے اونٹوں اور تھوڑی بکریوں والوں کو چراگاہ میں داخلے کی اجازت دینا اور عثمان بن عفانؓ اور عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے چوپاؤں (قوم کے امیر لوگوں کے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں) کو رہنے دینا، کیونکہ اگر ان کے مال مویشی ہلاک ہو گئے تو وہ اپنے دوسرے کھیتوں اور نخلستانوں کی طرف پلٹ جائیں گے، (یعنی ان کے پاس دوسری جائیداد اور ذرائع آمدنی ہیں اور یہ مسکین تھوڑے اونٹوں اور بکریوں کے مالک) اگر ان کے مال مویشی ہلاک ہو گئے تو وہ اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر میرے پاس آکر دُھائی دیں گے، کہ اے امیر المومنین! کیا ہم ان بچوں کو چھوڑ دیں؟

اس لیے ان کو یہ گھاس پھونس مہیا کرنا میرے لیئے سیم و زر مہیا کرنے سے آسان ہے[1]

حضرت عمرؓ کے اس حکم سے مراد یہ ہے کہ:

۱۔ مسلمان حکومت کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ قلیل المال اور کم آمدنی والے افرادِ امت کا خاص طور پر خیال رکھے اور انہیں ایسے مواقع مہیا کرے کہ وہ کام کر کے کمائی کریں اور دولت مند ہو جائیں۔ اگر اس مقصد کے لیئے اُسے اغنیار

---

[1] ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۲۹۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کثیر المال افراد پر عرصۂ ترقی تنگ کرنا پڑے اور انہیں حصولِ دولت کے بعض مواقع اور کسب اور کام کے بعض وسائل سے محروم کرنا پڑے اور ان کی آمدنی میں اضافہ و ترقی کو روکنا پڑے، تو گریز نہ کرے۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے حدود میں بسنے والے ہر شخص کا یہ حق ہے کہ اگر اس کا ذریعہ آمدنی تباہ ہو جائے اور حصولِ رزق کا کوئی ذریعہ نہ رہے تو وہ حاکم وقت کے روبرو اپنے اور اپنے بال بچوں کے حق کے لیئے دہائی دے اور حکومت اسلامی کے خزانۂ عامرہ سے مدد دیئے جانے کا مطالبہ کرے اور حاکم وقت یا حکومت کے متعلقہ اہل کار کو اس شخص کا مطالبہ پورا کیئے بغیر اور اس کی اور اس کے کنبے کی ضروریات پوری کیئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

۳- تیسری بات یہ ہے کہ حاجت مندوں کے سلسلے میں صحیح حکمتِ عملی یہ ہے کہ ان میں سے جو لوگ کام کرنے کی قدرت رکھتے ہوں انہیں کوئی کام مہیا کیا جائے اور کم آمدنی والے افرادِ ملت کے ذرائع آمدنی کو ترقی دی جائے، تاکہ فقراء اور کم آمدنی والے اپنی کوشش اور محنت کے سبب حکومت کی امداد و اعانت سے مستغنی ہو سکیں۔

(۳) معاشی حالت بہتر بنانے کیلئے صدقہ کی بجائے معاشی وسائل مہیا کرنا

اسلام معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیئے صدقہ کی بجائے معاشی وسائل مہیا کرنے پر زیادہ زور دیتا ہے، معاشی وسائل میں سب سے پہلا ذریعہ کام ہے، جو شخص جس کام کی صلاحیت رکھتا ہو اُسے وہ کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے،

انسان اور کائنات کی تخلیق میں سنت اللہ کا تقاضا یہ ہے کہ روئے زمین پر انسان اور دیگر مخلوقات اپنی خوراک اور دیگر سامانِ زیست کوشش اور محنت سے حاصل کریں۔ تبھی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"فامشوا فی مناکبھا وکلوا من رزقہ"[۱]

(زمین کے اطراف میں پھرو اور اللہ کا عطا کردہ رزق کھاؤ۔

ایک اور جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:۔

"فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ[۲]"

(پس جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو۔)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ "توکل علی اللہ" کا دعویٰ کر کے نماز کے بعد مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپؓ نے انہیں اپنے دُرّے سے مارا اور کہا کہ کوئی شخص رزق کی کوشش ترک کر کے اللہ سے یہ دُعا نہ کرے کہ اے اللہ! مجھے روزی دے، درآں حالیکہ وہ جانتا ہے کہ آسمان سے سونے اور چاندی کی بارش نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ تو قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ جب نماز ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو کر روزی تلاش کرو۔[۳]

ایک دفعہ امام احمدؒ بن حنبل سے پوچھا گیا: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو اپنے گھر میں یا مسجد میں بیٹھا رہتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کوئی کام نہیں کروں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مجھے رزق عطا فرمائے گا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا۔ یہ شخص جاہل مطلق ہے، کیا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سُنا۔ کہ "جعل رزقی تحت ظلّ رمحی" (میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں لکھا گیا ہے) اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اُسے معلوم نہیں کہ "پرندے صبح

---

[۱] القرآن، الملک، آیت ۱۵

[۲] " ، الجمعہ، آیت ۱۰

[۳] یوسف القرضاوی، اسلام اور معاشی تحفظ (اُردو ترجمہ) ص ۴۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے وقت رزق کی تلاش میں خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس لوٹتے ہیں"۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بحر و بر میں تجارت کیا کرتے تھے اور اپنے باغات میں کام کیا کرتے تھے"۔ ان کا عمل ہمارے لئے نمونہ ہے ۔ ؎۱

اللہ تعالیٰ نے تلاش معاش کے لیئے نکلنے کا قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا ہے،

"واٰخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللہ ؎۲"

(کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اللہ کے فضل کی تلاش میں روئے زمین پر سفر کرتے ہیں)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی ترغیب دلانے کے لیئے فرمایا:

"التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء ؎۳"

(ایک راست گفتار اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔)

زراعت اور کاشت کاری کی ترغیب حضورؐ نے یوں دلائی: مامن مسلم یغرس غرسا او یزرع زرعا فیاکل منہ طیر او انسان او بھیمۃ الا کان لہ بہ صدقۃ" ؎۴

کوئی مسلمان جب کوئی چیز کاشت کرتا ہے یا کوئی پودا لگاتا ہے پھر اس میں کوئی پرندہ، انسان یا چوپایہ کچھ کھاتا ہے تو وہ اس مسلمان کی طرف سے صدقہ ہو جاتا ہے،

صنعت و حرفت کی ترغیب میں حضورؐ نے فرمایا:

"ما اکل احد طعاما قطّ خیرا من ان یأکل من عمل یدیہ" ؎۵

؎۱ یوسف القرضاوی، اسلام اور معاشی تحفظ (اردو ترجمہ) ص ۴۲

؎۲ القرآن، المزمل، آیت ۲۰

؎۳ ترمذی، ج ۱، ص ۱۵۷

؎۴ جواہر البخاری، ص ۲۵۶ ؎۵ ایضاً ص ۲۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(کسی شخص نے اپنے ہاتھ سے کما کر کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا۔)
آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

"من بات کالاً من طلب الحلال بات مغفوراً"[۱]

(جس شخص نے اس حال میں رات گزاری کہ وہ حلال روزی کی تلاش میں تھک گیا تو اس نے مغفرت و بخشش سے مالا مال ہو کر رات گزاری۔)
بخاری شریف میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مابعث اللہ نبیاً الارعی الغنم فقال اصحابہ وانت فقال نعم کنت ارعاھا علی قراریط لاھل مکۃ[۲]

(اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں مبعوث فرمایا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، صحابہؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے بھی فرمایا۔ ہاں میں بھی چند قیراط کے عوض اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔)

اسلام نے واضح طور پر کہا ہے کہ لوگ جب تک طاقت ور رہیں اور کمانے کی استطاعت رکھتے ہوں وہ ہرگز صدقہ و خیرات لینے کے حق دار نہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ مانگنے والے دو آدمیوں سے فرمایا تھا،

"لاحظ فیھا الغنی و لا لقوی مکتسب"[۳]

(کسی غنی، طاقت ور اور سلیم الاعضاء شخص کے لیئے صدقہ لینا جائز نہیں۔)
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱ـ السیوطی، جلال الدین، الجامع الصغیر، ص ۱۶۷

۲ـ بخاری، ج ۱، ص ۳۰۱ ـ ۳ـ النسائی: ۱: ۳۶۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"والذی نفسی بیدہ لان یاخذ احدکم حبلتہ فیحتطب علی ظہرہ خیر لہ من ان یاتی رجلا فیسالہ اعطاہ او منعہ" ؎۱

(تم میں سے کوئی شخص صبح کے وقت نکلے اور اپنی پشت پر جنگل سے لکڑیاں اٹھا کر لائے تاکہ وہ صدقہ کرے اور لوگوں سے بے نیاز ہو جائے، یہ اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ وہ کسی آدمی سے کچھ مانگے وہ چاہے تو اس کو دے چاہے تو نہ دے)

اسلام نے اشد اور ناگزیر ضرورت سے مجبور ہو کر سوال کرنے کی تو اجازت دی ہے البتہ اسلامی ریاست میں حاکم وقت کو یہ اختیار رہے کہ وہ ہر اس شخص کو سزا دے جو بالکل تندرست و توانا ہو اور کما کر کھانے کی قدرت رکھنے کے باوجود سوسائٹی پر بوجھ بن کر زندہ رہنا چاہتا ہو اور جس نے دوسروں سے مانگنے پھرنے کو پیشہ بنا لیا ہو اور جو اس زعم میں مبتلا ہو کہ صدقہ و خیرات لینا اس کے لیئے جائز ہے حالانکہ اس کے لئے زکوٰۃ و صدقہ لینا حرام ہے، بغیر کسی جائز عذر کے بھیک مانگنا گناہ ہے اور ہر وہ گناہ جس پر از روئے شریعت کوئی حد نہ لگائی گئی ہو یا کوئی کفارہ نہ دینا پڑتا ہو، مسلمان حاکم کے لیئے جائز ہے کہ وہ اس گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو حسبِ حال کوئی سزا دے ؎۲

اسلام کسی حاجت مند سائل کی مشکل کو یوں حل نہیں کرتا کہ وقتی طور پر اُسے کچھ مادی امداد دلوا دے اور نہ وہ محض وعظ و تلقین سے سائل کے دل میں سوال کرنے سے نفرت پیدا کر دینے پر اکتفا کرتا ہے بلکہ وہ سائل کی دستگیری کرتا ہے اور بڑے احسن طریق سے غربت و افلاس سے نجات حاصل کرنے میں اس کی مدد کرتا ہے اور اسے اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنی معاشی حالت کو درست کرنے کے لیئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اور دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرنے سے گریز کرے۔

؎۱ جواہر البخاری، ص ۱۶۱

؎۲ یوسف القرضاوی: اسلام اور معاشی تحفظ ص ۴۸

© rasailojaraid.com